

کتاب المعروج، تہذیب کے قرآنی سفر کا ایک چشم کشانہ تذکرہ، ڈاکٹر راشد شاز۔ ناشر: ملی پبلی کیشنز، نئی دہلی، بھارت۔ ۲۵ صفحات۔ ۲۲۳۔ قیمت: ۵۰۰ روپے۔

راشد شاز صاحب نے علی گڑھ یونیورسٹی سے انگریزی ادب میں ڈاکٹریٹ حاصل کی ہے۔ انہوں نے اسلامی علوم اور خصوصاً تہذیبی ترقی کے عمل کے مطالعے کا نپوڑ کتاب المعروج کی شکل میں امت مسلمہ کے سامنے پیش کیا ہے۔ ایک عرصے کے بعد ایسی تحریر سامنے آئی ہے جس میں اردو زبان کی چائی اور علی ایجاد، ہر ہر جملے سے جملتا ہے۔ مختلف مغربی اور مسلم مصادر کی مدد سے مسلم تہذیب، خصوصاً سائنسی اور فلسفیانہ اختراعات کا تذکرہ، دو مفصل ابواب جو ۴۰۰ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں، دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مثل پیش کر دیا گیا ہے۔ آخری باب جو بظاہر کتاب کا اصل مقصد نظر آتا ہے ایک نئی یونیورسٹی کا منصوبہ کے زیر عنوان باندھا گیا ہے۔

مصنف نے انتہائی عرق ریزی سے مسلمانوں کے علمی اور سائنسی کارناٹوں کا جائزہ لیا ہے اور جا بجا علمی تصنیفات اور آلات کی تصاویر سے کتاب کو مزین کیا ہے۔ اپنے ماضی سے غیر آگاہ جدید نسل کے مسلمان نوجوانوں کے لیے اس میں غیر معمولی اہم لوازمہ ہے۔ مصنف نے اپنی تحقیق کی بنیاد پر اس افسانے کی حقیقت بھی واضح کی ہے کہ یورپ میں جو نشات ثانیہ سولھویں صدی میں واقع ہوئی، اس میں اٹلی کی تہذیب کا بڑا دخل تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اٹلی کی اپنی کوئی تہذیبی روایت تھی بلکہ مسلمانوں سے ارتباط کے نتیجے میں وہاں جو علمی لوازم پہنچا، اور مسلمانوں کی ایجادات جو اندرس اور اٹلی کے راستے یورپ میں پہنچیں وہ اس نشات ثانیہ کی اصل بنیاد تھیں۔

مصنف نے اس بات کا بھی جائزہ لیا ہے کہ مسلمان عظیم سائنسی روایت کے باوجود کوئی زوال کا شکار ہوئے اور اس زوال سے نکلنے کے لیے انھیں کیا کرنا ہوگا؟ مصنف کا کہنا ہے کہ تبدیلی کا انقلابی عمل ایک بہت جرأت متنازعہ اقدام کا مقاضی ہے جس میں روایت پرستی سے نکل کر ایک نئے ذہن اور نقطہ نظر کے ساتھ علم کی تدوین جدید کرنی ہوگی۔ یہ کام علمی پیوند کاری سے نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے مستقبل کے چیلنجوں کو سامنے رکھتے ہوئے ایک نئی علمی روایت کو قائم کرنا ہوگا۔

یہ کام اسی وقت ممکن ہے جب ایک نئی یونیورسٹی وجود میں آئے۔ مصنف کے خیال میں ماضی کی تمام کوششیں، بشمول علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ندوۃ العلماء اور دیگر مدارس کا قیام، وہ کام نہ

کر سکیں جو مسلمانوں کو عروج کی طرف لے جاتا۔ جو زہ یونی و رشی کا تصور لازمی طور پر ایک نہایت قابل قدر تصور ہے۔ مصنف نئی یونی و رشی کے ذریعے ان خامیوں کو دُور کرنا چاہتے ہیں جو موجودہ جامعات میں پائی جاتی ہیں، چاہے وہ دینی ہوں یا راویٰ تیکولر جامعات۔

دورِ جدید میں تجدیدی کوششوں کے ضمن میں جہاں دیگر اداروں پر مصنف نے تنقیدی زاویے سے بات کی ہے، وہاں مولانا مودودیؒ کی فکر اور تجدیدی کوششوں کو صرف ایک تعارفی جملے میں بیان کیا ہے جو مولانا کے کام کے ساتھ نا انصافی ہے۔

ایک نئی یونی و رشی کی تجویز کا استقبال کرتے ہوئے، اس نوعیت کے علمی سفر سے وابستہ ایک فرد کی حیثیت سے مصنف محترم کی معلومات کے لیے چند نکات کی وضاحت ضروری ہے۔ ۱۹۶۲ء میں ادارہ معارف اسلامی کے قیام کے موقع پر مولانا مودودیؒ نے جو خطاب کیا تھا، اس میں علوم کی نئی تشکیل کا ایک نقشہ پیش کیا تھا۔ وہ شاز صاحب کے تصور سے زیادہ مختلف نہ تھا۔ اسی طرح امریکا میں ۱۹۷۲ء میں مسلم ماہرین علوم عمرانی کی تنظیم (Association of Muslim Social Scientists-AMSS) کے قیام کا محرک بھی یہی تصور تھا کہ ایک نئی روایت علم کی ضرورت ہے اور اس کا آغاز علوم عمرانی کی اسلامی تدوین جدید سے کیا جانا چاہیے۔ اس تنظیم کے بانی، سیکرٹری جزل اور بعد میں صدر کی حیثیت سے میں نے اور دیگر رفقے کا خصوصاً پروفیسر اسماعیل راجی الفاروقی شہید نے اپنے خطابات اور مقالات میں جس تصور کو پیش کیا وہ یہی تھا کہ ایک نئی جامعہ کا قیام عمل میں لا یا جائے۔ ۱۹۸۱ء میں اسی تصور کی بنیاد پر بین الاقوامی اسلامی یونی و رشی اسلام آباد اور پھر ۱۹۸۳ء میں ملائیشیا میں اسی نام سے ایک آزاد یونی و رشی کا قیام عمل میں آیا۔

رقم الحروف کو دونوں جامعات کے تاسیسی دور میں ان کے نسبات، مقاصد اور تعلیمی حکمت عملی سے براہ راست واپسی کا موقع ملا اور کم از کم اس حد تک یقین سے کہا جاسکتا ہے شاز صاحب جس تصور کی طرف متوجہ کر رہے ہیں، اس کی شروعات ان دونوں جامعات میں نظری اور عملی طور پر عمل میں آچکی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ گذشتہ اسال کے عرصے میں سیاسی حالات کی بنا پر ان کی قیادت اور تدریسی ترجیحات کو تبدیل کیا گیا ہے۔ اگر ان دونوں جامعات کو آزادانہ طور پر کام کرنے کا موقع ملے تو وہ کمی پوری ہو سکتی ہے جس کی طرف شاز صاحب نے متوجہ کیا ہے۔